جیب کترے کی مہربانی!!

تحریر۔۔۔۔۔جاوید بھارتی

یوں تو ہر برادری میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں ہر مذہب میں بھی اچھے برے لوگ ہوتے ہیں ہر سماج ہر معاشرے اور ہر سوسائٹی میں اچھے برے لوگ پائے جاتے ہیں چاہے سرمایہ دار ہو یا مزدور، امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی ہر جگہ ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھے لوگوں کے قدم بھی پھسل جایا کرتے ہیں کبھی لالچ میں اجایا کرتے ہیں ویسے ہی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ڈاکوؤں کو بھی رحم اجاتا ہے چوروں کی بھی غیرت جاگ جایا کرتی ہے اور جیب کتروں کو بھی کبھی کبھی دل کی گہرائیوں سے کچھ سوچنے کے لیے اور سوچنے کے بعد بہترین فیصلہ لینے کے لیے مجبور ہو جانا پڑتا ہے اسی چیز کو احساس کہا جاتا ہے اور اسی چیز کو ضمیر کہا جاتا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جس کا ضمیر جو گوارا کرتا ہے وہ انسان وہی کام کرتا ہے ایسی ہی ایک کہانی ایک واقعہ تحریر کرنا بہت ہی مناسب لگتا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور سبق اموز بھی ہے بس سے لوگ سفر کر رہے ہیں پوری بس کھچا کھچ بھری ہوئی ہے کسی کو کہیں جانا ہے تو کسی کو کہیں جانا ہے ایسے میں ایک مقام پر بس رکتی ہے ایک انسان بس سے جیسے ہی نیچے اترتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دوسرا شخص بھی نیچے اترتا ہے اور پہلے والے شخص کو دھکے مارتا ہوا اگے بڑھتا ہے اب جسے دھکا مارا ہے وہ انسان اسے مخاطب کر کے کہتا ہے او بھائی تجھے کہیں چوٹ تو نہیں لگی تو وہ شخص جواب دیتا ہے کہ نہیں مجھے کہیں چوٹ نہیں لگی پہلے والے شخص نے کہا ٹھیک ہے جاؤ وہ شخص اگے بڑھ جاتا ہے لیکن دھکا مارنے کے وقت وہ اس کی جیب سے پرس نکال لیتا ہے۔

اب پہلے والا شخص جسے بھوک بھی لگی تھی اور پیاس بھی لگی تھی ایک دکان پر پہنچتا ہے اور دکاندار سے ایک بسکٹ مانگتا ہے دکاندار جب بسکٹ دیتا ہے تو یہ شخص پیسہ دینے کے لیے اپنی جیب پر ہاتھ ڈالتا ہے تو جیب خالی ہے جیب کے اندر پرس نہیں ہے ادھر ادھر ہاتھ لے جاتا ہے اور اس کے بعد اس کا چہرہ اڑ جاتا ہے اور دکاندار سمجھ جاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش اگیا ہے پوچھتا ہے کہ اخر کیا ہوا وہ شخص جواب دیتا ہے میری جیب سے کسی نے پرس نکال لیا ہے اور میرے اس پرس میں ہی پیسے بھی تھے۔

ادھر جیب کترا کافی خوش ہے کی مجھے اج برس ہاتھ لگا ہے اس میں جو بھی رقم ہوگی اب وہ میری ہوگی گویا وہ پرس کھولتا ہے تو اس میں سے صرف 100 روپے کا ایک نوٹ نکلتا ہے اور ساتھ ہی ایک خط بھی برامد ہوتا ہے جس پہ لکھا ہوتا ہے کہ اے میری ماں اج میرے پاس صرف 100 روپے ہی ہیں اخر میں کتنا بدنصیب ہوں کہ تیری دوا بھی نہیں لا سکتا اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ میں کسی کے اگے ہاتھ پھیلاؤں کسی سے بھیک یا مدد مانگوں میں تلملاتی ہوئی دھوپ میں بھوک و پیاس سے نڈھال ہوں لیکن روزی روٹی کی تلاش میں ہوں مجھے اپنی فکر نہیں لیکن اے ماں مجھے تیری فکر ہے تیری بیماری کی فکر ہے تیرے علاج کی فکر ہے تیری دوا کی فکر ہے اور مجھے اپنے پروردگار پر پورا بھروسہ ہے کہ وہی میری مدد کرے گا۔

اتنا کہنے کے بعد وہ شخص روزی روٹی کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے کہ پھر اسی جیب کترے سے ملاقات ہوتی ہے اور پھر وہ دھکا مار کر اگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ شخص اس دھکا مارنے والے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اج کے پہلے بھی میرا تم سے کبھی آمنا سامنا ہوا ہے تو وہ شخص جواب دیتا ہے کہ ارے بھائی یہ دنیا گول ہے گھوم پھر کر انسان کو اسی جگہ انا ہے جہاں سے وہ چلتا ہے بالکل ہو سکتا ہے کہ میری تم سے کبھی ملاقات ہوئی ہو کبھی بات چیت ہوئی ہو کبھی آمنا سامنا ہوا ہو اتنا کہنے کے بعد وہ شخص اگے بڑھ جاتا ہے جس شخص کو دھکا مارا تھا اب وہ شخص بھی روزی روٹی کی تلاش میں اگے بڑھتا ہے اچانک اس کا ہاتھ جیب کی طرف بڑھتا ہے تو اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میری جیب میں پرس موجود ہے وہ شخص اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے تو واقعی پرس موجود رہتا ہے وہ جب پرس کو نکال کر دیکھتا ہے تو اس میں ایک ہزار روپے موجود ہیں اور ساتھ ہی ایک خط بھی موجود ہے جس میں تحریر کیا ہوا تھا کہ او میرے بھائی میں ایک جیب کترا ضرور ہوں لیکن اتنا سخت بھی نہیں ہوں کہ کسی کی ماں کے دوا اور علاج کے پیسوں کو بھی ہڑپ کر جاؤں میں نے بس سے اترتے ہوئے تمہیں دھکا مارا تھا اور تمہاری جیب سے پرس نکالا تھا تو پرس کے ساتھ جو ایک خط مجھے ملا اسے پڑھ کر میری انکھوں میں انسو اگئے اور میرا جسم لرزہ براندام ہو گیا اور مجھے یہ گوارا نہیں ہوا کہ میں اس پیسے کو کھا سکوں۔

آخر ایک ماں تو ماں ہوتی ہے لہذا میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں اور تم سے معافی کا طلبگار ہوں ساتھ ہی تمہارے پرس سے نکلے ہوئے 100 روپے کے ایک نوٹ کے ساتھ میں نے نو سو روپیہ ملا کر دوبارہ تمہیں دھکا مارتے ہوئے تمہاری جیب میں پرس رکھ دیا تا کہ تم اپنی ماں کے لیے دوا خرید سکو اور ساتھ ہی میں اللہ تبارک وتعالی سے دعا گو بھی ہوں کہ تمہاری ماں جد از جلد صحت یاب ہو جائے ہو سکے تو مجھے معاف کرنا اور میرے لیے دعا بھی کرنا اور ماں سے بھی کہنا کہ میری صحت وسلامتی کے لیے اور ساتھ ہی نیک کام کرنے کی سعادت کے لیے دعا کرے۔

++++++++++

جاوید اختر بھارتی (سابق سکریٹری یوپی بنگر یونین) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی۔

خوداحتسابی!

ہر قدم ہے آزمائش زندگی

ش م احمد سری نگر

7006883587

ہماری یہ وسیع وعریض دُنیا کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں بلکہ ایک باضابطہ دارالامتحان اور باقاعدہ آزمائش گاہ ہے۔ یہاں جی رہے ہر انسان پر مستقل طور امتحانات میں زندگی کے مختلف پرچے حل کرنے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ خود ہی اندازہ لگائیے کہ جہاں خالقِ کائنات ممتحن ہو، امتحانی ہال میں ہمہ وقت ہر انسان کی ایک ایک نیت اور ایک ایک حرکت کی نگرانی کر رہا ہو، کوئی اس امتحانی ہال میں کہیں روپوشی اختیار کر سکتا ہو نہ اس سے فرار ہو سکتا ہو، نہ امتحان کو کسی بہانے ایک منٹ بھی ٹالا جا سکتا ہو، مارکنگ میں کسی ہیرا پھیری یا ڈنڈی ماری کی گنجائش ہی نہ ہو کہ امتحانی نتیجہ بدلا جا سکے۔ امتحان بھی بڑا نرالا کہ ایک ایک پرچہ پہلے ہی آؤٹ ہو، کوئی سوال آؤٹ آف سلیبس نہ ہو، رزلٹ بھی عجیب کہ یہ فیصلہ کرنا انسان کی خواہش پر منحصر ہو آیا اُسے کامیابی چاہیے یا ناکامی۔ ہم اور آپ اس انوکھے تاحیات امتحان اور ممتحن کے بارے میں حضرتِ انسان کی پوزیشن اس شعر کی روشنی میں شاید کچھ کچھ سمجھ سکتے ہیں ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمی گویم کہ دامن ترمکن ہشیار باش

ترجمہ: دُنیا کی منجدھار میں تم نے (اللہ نے) مجھے تختہ پر باندھ کر چھوڑ دیا ہے اور پھر کہتے ہو کہ خبردار تمہارا دامن تر نہ ہونے پائے۔

امتحان بھی کیسا طرفہ تماشہ کہ زندگی کے سمندر میں منہ زور لہروں کے بیچ ایک چھوٹے سے تختہ پر سوار بے بس انسان ہچکولے کھاتا رہے تو شوق سے کھائے مگر حاشا وکلا کہ اُس کا دامن تر ہو، اُس کے لباس یا بدن پر مسلسل سمندری سفر میں لالچ، کذب، ہوس، گناہ، جرم اور ظلم کی کوئی چھینٹ آ لگے!۔ بڑی آزمائش کڑا امتحان!

اس امتحان کا ایک مقررہ نصاب ہے۔۔۔ یعنی نفس نفس آزمائشیں، قدم قدم ابتلائیں، جھوٹ کی تناتنی، سچ کی پسپائی، ہاں نصاب کے شکنجے میں کسا انسان آزاد ہے کہ اپنی کشمکش زندگانی میں چاہے بُرا یا بھلا راستہ اپنا لے، اتنا ضرور یاد رکھے کہ کاتبِ تقدیر بحیثیت نگرانِ اعلیٰ اپنے فرستادوں (کراماً کاتبین) سمیت اُس کی کارکردگی کا شب وروز جائزہ لے رہا ہے۔ اب بندے کی مرضی ہے کہ وہ اپنا پرچۂ زندگی یا نامۂ اعمال لکھتے وقت مشکلوں بھرے خارزارِ صداقت کی آبلہ پائی کرے یا جھوٹ اور جرائم کی پُرکشش آسائشوں کے دلدل میں دھنسے۔ چوائس خالصتاً اُس کی اپنی ہے۔ آخرش روزِ حشر اللہ کی قائم کردہ بھری عدالت میں امتحانی عمل سے گزرنے والے انسانوں کی ہر نیت ہر عمل کا کچا چھٹا میزانِ احتساب میں تولا جائے گا، نتیجہ برمحل دنیا والوں کے سامنے آؤٹ ہوگا کہ بندہ کامیاب ہوا یا ناکام رہا۔ یاد رکھئے یہ امتحانی نتیجہ اندھے کی کوئی بندر بانٹ نہیں ہوگا بلکہ خدا کے منظم ومربوط نظامِ عدل کے تحت بے لاگ احتسابی ترازو میں مع ثبوت وشہادت بندے کے ہر چھوٹے بڑے کام کو شرطیہ وزن دیا جائے گا، اُس کی کارکردگی کے حُسن وقبح کی جانچ پرکھ ہوگی، اس کے اقوال وافعال کی قباحتوں اور خوبیوں کے اثرات ونتائج کا باریک بینی سے تجزیہ ہوگا کہ ان سے کس کا بھلا ہوا، کس کا بُرا ہوا۔ اسلام کا عقیدہ آخرت اسی امتحانی اور احتسابی عمل کے گرد گھومتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی ناموں میں ایک نام ''الحسیب'' یعنی حساب کرنے والا ہے، جو اسی امر واقع پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کے ہر ہر کام کا ایک روز حساب وکتاب ہونا ہے۔ لہٰذا جو انسان دنیا میں اپنے عمل کی کھیتی میں اچھائی بوئے گا وہ آخرت میں اچھی لہلاتی فصل کاٹے گا، جو برائی بوئے گا وہ لازماً کڑوا ہٹوں اور کانٹوں کی فصل کاٹے گا۔ یہ ایک اٹل قانونِ قدرت ہے۔ قیامت کا برپا ہونا اسی احتسابی عمل اور جزا وسزا کا منطقی لزوم ہے۔ اللہ سریع الحساب ہے اور بندے کی نیک عملیوں کا اجر اور برے افعال کی سزا اپنی سریع الحرکۃ عدالت میں تمام دنیا والوں کے سامنے دے گا۔ ان حوالوں سے ایک حقیقی مسلمان دنیا میں زندگی بھر اپنی اُخروی جوابدہی میں کامیابی کے لئے جہدِ مسلسل کرتا ہے، اُس کی دُنیوی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہوتی ہے جس کے ورق ورق سے شفافیت چھلکتی ہے اور سطر سطر سے انسانیت کے لئے کارآمد فوائد، بہتری کے مخلصانہ کام، مثبت کاوشیں، غیر مشروط دردمندیاں اور بے لوث خیر خواہیاں پھوٹتی ہیں۔ اللہ کے میزانِ عدل اور احتساب کے پلڑوں میں کھرا اُترنے والی اس کھلی کتاب کو جب فرشتے فخراً چومتے ہوں تو ایسے حقیقی مومن کو جیتے جی کسی ویری فکیشن سے کیا ڈر ہوگا اور کسی پروفائلنگ سے کون سا خوف لاحق ہوگا؟

احتساب وجوابدہی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک ہے: ''اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا (اللہ کی عدالت میں روزِ محشر) محاسبہ ہو۔ اور آخرت کی پیشی کے لئے تدبیر کرو اور جو شخص دنیا ہی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے قیامت کے روز اُس پر حساب وکتاب آسان ہوگا''۔

آں جنابؓ کا یہ قول مبارک ہر مسلمان کے لئے فرداً فرداً لازم قرار دیتا ہے کہ وہ اپنا پیشگی محاسبہ کرے، اپنے سیات کو حسنات سے بدلنے میں ہر زماں ومکاں میں کوشاں رہے تا کہ کل جب کائنات کے منصفِ اعظم اللہ کے رُوبرو اُس کی زندگی کا گوشوارہ (اعمال نامہ یا کرم کنڈلی) اُس کے دائیں ہاتھ میں تھما دیا جائے تو اسے یہ طمانیت وبشارت ملے کہ اللہ اُس سے راضی وہ اللہ سے راضی، ایسا ہی خوش نصیب بندہ اپنی کاوشوں میں بفضل تعالیٰ کامیاب قرار پاتا ہے، چاہے دُنیا میں اُسے کتنا ہی ناکام انسان بتایا جتلایا جا رہا ہو۔ رہا وہ کم نصیب بندہ جو دنیا میں رہ کر خود احتسابی اور محاسبے سے عمداً وقصداً غافل رہا، جس نے اللہ کے حضور اپنی جوابدہی کا کوئی خیال نہ کیا، گناہوں اور غلطیوں میں لت پت زندگی گزارتا رہا، وہ لامحالہ بدیوں، برائیوں اور جرائم سے ترتیب شدہ اپنے داستانِ حیات کا نوشتہ پیٹھ پیچھے بندھے ہاتھوں کسی خطا کار مجرم کی طرح پائے گا، عدالتِ الٰہیہ میں اس پر سرزنش ہوگی: ''اپنا عمال نامہ پڑھ لے، آج اپنا حساب لینے کے لئے تُو ہی کافی ہے'' سورۂ اسرا آیت ۱۴

فاروق عادلؓ کا متذکرہ بالا انتباہ خاکم بدہن کسی جوشِ خطابت کا نمونہ نہیں کہ بس زبان سے کچھ نکل گیا سو نکل گیا، نہ یہ موجودہ زمانے کی اصطلاح میں کسی انتخابی منشور کا وعدۂ فردا ہے کہ عمل میں نہ بھی ڈھالا جائے کوئی مضائقہ نہیں، غم نہیں، پریشانی نہیں۔ اس کے برعکس یہ متاعِ ایمانی سے مالا مال مومن کے حیاتِ دنیوی کا اُسوہ اور اُخروی

کامیابی پانے کی شرطیہ ضمانت کے نصاب سے بندۂ مومن کو روشناس کراتا ہے، اللہ کے بے غبار وغیر جانب دار عدالتی نظام اور احتسابی عمل کا جامع تعارف دیتا ہے، بندگانِ خدا کو چوکنا کرتا ہے خبردار اللہ عالم الغیب والشہادۃ تم میں سے کسی ایک سے بھی لمحہ بھر کے لئے لاتعلق نہیں، وہ تمہارے حرکات وسکنات کا مدعا ومقصد جانتا ہے، وہ دل کے تہ خانے میں چھپی تمہاری نیتوں کے حالات وکوائف سے بھی واقف ہے۔ یہ گویا مومنین کے لئے یاد دہانی ہے کہ دنیا میں غفلت کی نیند نہ سونا کیونکہ کراماً کاتبین مسلسل تمہارا روزنامچہ قلم بند کئے جا رہے ہیں، اپنا روزنامچہ صداقت و شفافیت کا کھلا بہی کھاتہ بنائے رکھنا۔ یہ فرمودہ محض چیتاونی نہیں بلکہ ایک اٹل اصولِ عدل ہے جو دنیا میں صاحبِ ایمان کے واسطے احساسِ ذمہ داری سے لبریز شفافیت والی زندگی گزارنے کا قرینہ اور آخرت میں اللہ کی پکڑ (بطشِ شدید) سے بچنے کا نقشِ راہ عطا کرتا ہے۔

تاریخ شاہد عادل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس لازوال اصول کا انطباق خود اپنی پاک سیرت میں قدم قدم پہ کیا۔ اس سلسلے میں اسلامی تواریخ کے سنہری اوراق ایمان افروز واقعات سے بھرے پڑے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ آخرت کی عدالت میں سُرخ رو ہونے والوں کی سیرتیں کس قدر شفافیت، یک روئی اور احساسِ ذمہ داری کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ مشتے نمونے از خروارے ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہیں، آپؓ کا تقویٰ مثالی ہے، آپؓ کی معاملہ فہمی کا عالمی شہرہ ہے، آپؓ کے حُسنِ انتظام کے کیا کہنے، آپؓ کا جلال لاثانی ہے، آپؓ کا انصاف بے لاگ ہے، آپؓ کی غیر جانب داری بے بدل ہے، آپؓ کے سامنے کسی مکار وفریبی کو جرأتِ گفتار کی ہمت نہیں، آپؓ کی کوئی اُنگشت نمائی اور تنقید کا خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ نہیں سکتا۔ ایک موقع پر آپؓ منبر پر خطبہ دیتے ہیں: ''اے لوگو! میری بات سنو اور اطاعت کرو''۔ دفعتاً بھرے مجمع میں سے برگزیدہ صحابی حضرت سلمان فارسیؓ بلا جھجک کھڑے ہو کر بآواز بلند فرماتے ہیں: ہم آپؓ کی بات نہیں سنیں گے اور نہ ہی اطاعت کریں گے۔ بتائیے مالِ غنیمت میں جو یمنی چادریں تقسیم ہوئی تھیں، وہ سب کے حصے میں ایک ایک آئی تھی، آپؓ قدآور ہیں، ایک چادر سے آپؓ کا لمبا کرتا نہیں سل سکتا تھا، لیکن آپؓ نے جو کرتا پہنا ہوا ہے وہ اتنا لمبا ہے؟''

حضرت عمر فاروقؓ عوامی تنقید واحتساب کے کٹہرے میں ایستادہ ہو کر غصہ ہوتے ہیں نہ آپا کھوتے ہیں، بلکہ نہایت لجاجت سے معقول سوال کا مفصل جواب دینے کے لئے اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مجمعے میں بلاتے ہیں، وہ آ کر لمبے کرتے کا راز کھولتے ہیں: میرے والد کے پاس صرف ایک چادر تھی جو ان کے قد کے لئے پوری نہیں تھی، اس لئے میں نے آپؓ کو اپنے حصے کی چادر بھی اُنہیں دی تھی تا کہ والد محترم کا پورا کُرتا بن سکے۔'' یہ اطمینان بخش جواب سن کر حضرت سلمان فارسیؓ خلیفہ دوئم سے مخاطب ہوتے ہیں: اب آپؓ حکم دیجئے، ہم سنیں بھی گے اور اطاعت بھی کریں گے۔''

عوامی احتساب کی اس صحت مند مثال پر تاریخ عالم دنیا آج بھی عش عش کرتی ہے۔ یہ ہے حقیقی اسلام کی کھلی کتاب کا ایک ورق جو تا قیامت احتسابی عمل کے ذریعے انسانوں کی صداقت ودیانت جانچنے کے لئے ایک لافانی حوالے کے طور سنا اور پڑھا جائے گا اور جہاں جہاں ممکن ہو وہاں اس سنہری اصول کو اپنایا جائے گا۔

خلیفۂ دوئم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محولہ بالا قول مبارک کی تزکیاتی اہمیت اپنی جگہ، تاریخ اس کی روشنی میں ہمیں یہ سبق بھی دیتی ہے کہ مومنانہ زندگیوں میں جب شفافیت اور صداقت کی مشعل فروزاں رہے تو چاہے کوئی عام مسلمان ہو، مسلمانوں کے اہلِ مناصب ہوں، ائمہ مساجد ہوں، ذمہ دارانِ مدارس ہوں، مذہبی انجمنیں ہوں، خیراتی اداروں کے عہدیداران ہوں، اگر واقعی اُن کی کھلی کتاب میں کسی

''خفیہ ورق'' کی دراندازی نہ ہو تو اُنہیں کسی بھی احتسابی پروسس اور تحقیقاتی عمل کی سرکاری کارروائی یا عوامی استفسار کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرنا چاہیے، نہ کہ ایسے عمل کو خواہ مخواہ اپنی اعتباریت پر چوٹ یا اپنے کردار پر شک وشبہ سے تعبیر کرنے لگیں۔ ادباً عرض ہے کہ اُنہیں اس کام کو اپنے ایمان وکردار کے کھرے پن کی پرکھ اور حفاظتِ ایمان کا غیبی انتظام سمجھنا چاہیے اور اسی زاویۂ نگاہ سے ذمہ دار متعلقین کے ہر سنجیدہ سوال اور وضاحت طلبی کا جواب دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ دینا چاہیے، اور جہاں مطلوبہ ثبوت میسر نہ ہوں، وہاں دلائل اور حقائق کی گرہ کشائی سے مستفسرین کو مطمئن کرنے کی تمام تر کوششیں کرنی چاہیں۔ اس ضمن میں فالتو باتیں ہانکنے یا غیر ضروری خدشات کا اظہار کرنے سے کسی مذہبی ادارے یا فرد کی شفافیت پر غیر شعوری طور ہی سہی شکوک وشبہات کی پیوند کاری ہوتی ہے اور پھر بہکی بہکی باتیں چغلی کھاتی ہیں کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ یہ بلاوجہ کسی ادارے یا کسی فرد پر حرف گیری کا جواز پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ کیا کوئی سلیم العقل انسان اسے دُرست طرزِ عمل قرار دے سکتا ہے؟

''عصرِ رواں کو اگر زمانۂ اخیر یا کل یُگ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ یہاں ہم روز دیکھتے ہیں کہ دین دھرم اور خیراتی سرگرمیوں کے لبادے میں بعض رنگے سیار ایسے ایسے کانڈ کرتے ہیں کہ ان کا تذکرہ کرنے سے رُوح کانپتی ہے۔ ان گھمبیر حالات کے پس منظر میں خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی متذکرہ بالا مثال سے سبق لے کر تمام مذہبی حلقوں کو شفافیت اور سچائی کے پرستار ہونے کا ثبوت دے کر عملی طور دکھانا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو تنقید واحتساب سے بالاتر نہیں سمجھتے، اُن کی کارکردگی پر چاہے کوئی ذمہ دار حلقہ معقول سوال وجواب کرے، یا چاہے کوئی طالبِ حق اُنہیں عوامی احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کرے، مذہب داروں کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک بھرپور سچائی سامنے لانے کی کوششیں کرنے میں پس وپیش نہ کریں تا کہ مغالطوں کا اندھیرا چھٹ جائے، غلط فہمیاں دور ہوں اور ٹھوس زمینی حقائق بلا کم وکاست ہر کس وناکس کے سامنے آئیں۔ اندازہ کیجئے کہ جب حضرت عمرؓ کا ستارۂ اقبال عروج پر تھا، آپؓ کا مسندِ خلافت لاکھوں مربع کلومیٹر کو محیط تھا، شانِ اسلام کا دورِ زریں اپنی جوبن پر تھا، تاریخ کی ہمہ بصیرت آنکھیں دینِ اسلام کی صداقت شعاریوں اور عظمتوں کی عینی گواہ بنی ہوئی تھیں، مسلمان اپنے بلندیٔ کردار سے مخالفین اور معاندین کے دلوں میں موافقت کی گہری چھاپ ڈالے جا رہے تھے، ہر چھوٹے بڑے ایمان والے کے قول وفعل میں یکسانیت تھی، کلمہ خوانوں کی جلوت وخلوت میں مکمل یک روئی تھی، حکام اور عمال کی پرائیوٹ لائف اور پبلک لائف میں کوئی تضاد نہ تھا، خلوص محبت دیانت کا مزاج عام تھا، شیر اور بکرا ایک ہی گھاٹ آرام سے پانی پیتے تھے، خوفِ آخرت سے عوام اور خواص ہمہ وقت لرزاں وترساں رہتے تھے، اللہ کی عدالت میں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑنے کی تڑپ میں آنکھیں اشک بار اور دل متوحش ومغموم رہتے تھے، اُسی سنہرے دور میں تاریخ نے ان سنہری جملوں کو اپنے سینے میں بلائیں لیتے ہوئے یونہی جگہ نہ دی بلکہ ان کے اندر ہمارے لئے بصیرت اور بصارت کی کائنات بسا دی تا کہ پتہ چلے کہ زمانۂ اخیر میں ہمیں ایمان کی حفاظت کا فریضہ کس شفاف اسلوب اور احساسِ جوابدہی کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔ علامہ اقبال علیہ رحمہ نے اسی حقیقت کو مزید آشکارا کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

ماحولیات کا بحران اور کشمیر کا غیر یقینی مستقبل

سجاد بازاز

ہر سال 5 جون کو عالمی یومِ ماحولیات منایا جاتا ہے اور اس سال کا موضوع موسمیاتی تبدیلی کے گرد گھومتا ہے۔ یہ موضوع اس بات کی یاددہانی ہے کہ موسمیاتی بحران سے نمٹنے اور گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں کمی لانے کے لیے فوری اور مؤثر اقدامات ناگزیر ہو چکے ہیں۔

زمین ہمیں مسلسل خطرے کے اشارے دے رہی ہے۔ سمندروں کی بلند ہوتی سطح، تباہ کن جنگلاتی آگ، شدید گرمی کی لہریں اور تیزی سے پگھلتے گلیشیئر اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ موسمیاتی تبدیلی اب مستقبل کا نہیں بلکہ حال کا مسئلہ ہے۔ عالمی درجہ حرارت میں 1.5 ڈگری سیلسیس اضافے کی حد مقرر کی گئی تھی، مگر دنیا اس حد کو عبور کرتی جا رہی ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ موسمیاتی تبدیلی ایک عالمی چیلنج ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک تاخیر، غفلت اور انکار سے گریز کرتے ہوئے اس خطرے سے نمٹنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

عالمی یومِ ماحولیات ہمیں جموں وکشمیر کی ماحولیاتی صورتحال کا جائزہ لینے کا بھی موقع فراہم کرتا ہے، جہاں متعدد سنگین ماحولیاتی مسائل تیزی سے جنم لے رہے ہیں۔

سیاسی، سماجی، معاشی اور ماحولیاتی لحاظ سے کشمیر آج جن حالات سے دوچار ہے، انہوں نے اس خطے کی خوبصورتی اور قدرتی توازن کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے جاری سیاسی پیچیدگیوں کے باعث حکومتوں اور منصوبہ سازوں کی توجہ ماحولیات، سماجی اقدار اور معاشی امکانات جیسے بنیادی مسائل سے ہٹ گئی، جس کا خمیازہ عوام بھگت رہے ہیں۔

جموں وکشمیر کو مستقبل قریب میں جن بڑے چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں موسمیاتی تبدیلی کے اثرات سرفہرست ہیں۔ ستمبر 2014 کے تباہ کن سیلاب اور حالیہ برسوں میں آنے والے متعدد بادل پھٹنے کے واقعات اس بات کا واضح اشارہ ہیں کہ خطرات بڑھ رہے ہیں اور انسانی آبادی کو شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ماہرینِ ارضیات اور آبی وسائل کے ماہرین خبردار کر چکے ہیں کہ کشمیر وادی کا واحد سال بھر پانی فراہم کرنے والا اہم ذریعہ، کولہوئی گلیشیئر، عالمی حدت کے باعث تیزی سے سکڑ رہا ہے۔ یہ گلیشیئر دریائے جہلم کو پانی فراہم کرتا ہے جو آگے چل کر ڈل جھیل اور وادی کے دیگر آبی ذخائر کو زندگی بخشتا ہے۔ یہی پانی کشمیر کی زرخیزی اور قدرتی حسن کی بنیاد ہے۔

گلیشیئرز کے مسلسل پگھلاؤ اور حکومتی بے توجہی کے باعث وادی تیزی سے آبی بحران کی جانب بڑھ رہی ہے۔ اس بحران نے براری نمبل جیسے تاریخی آبی ذخائر کی حالت بھی تباہ کر دی ہے۔ سری نگر کے قلب میں واقع یہ خوبصورت جھیل نما آبی ذخیرہ آج آلودگی، تجاوزات اور لاپرواہی کے باعث معدومیت کے دہانے پر کھڑا ہے۔

براری نمبل ڈل جھیل کے آبی نظام میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اضافی پانی کو دریائے جہلم تک پہنچاتا ہے، مگر گزشتہ دو دہائیوں سے یہ حکومتی توجہ کا منتظر ہے۔ مختلف حکومتوں نے اس کی بحالی کے وعدے تو کیے مگر عملی اقدامات نہ ہونے کے برابر رہے۔

سن 2013 میں حکومت نے اس کی صفائی، کھدائی، توسیع اور خوبصورتی کے لیے منصوبہ منظور کیا تھا، مگر فنڈز کی کمی کے باعث یہ منصوبہ آگے نہ بڑھ سکا۔ بعد ازاں تقریباً 155 کروڑ روپے کے بحالی منصوبے بھی تیار کیے گئے لیکن وہ بھی عملی شکل اختیار نہ کر سکے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ ایک بڑی کارپوریٹ کمپنی نے اپنی کارپوریٹ سوشل رسپانسبلٹی (CSR) اسکیم کے تحت براری نمبل کی بحالی کا مکمل منصوبہ پیش کیا تھا۔ اس منصوبے میں باغات، تفریحی مقامات، بچوں کے کھیلنے کی جگہیں، واکنگ ٹریکس، بوٹنگ زون اور دیگر سہولیات شامل تھیں۔ اس کے باوجود متعلقہ حکام نے اس تجویز کو نظرانداز کر دیا، حالانکہ حکومت کو اس پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کرنا تھا۔

یہ صورتحال ان اداروں اور حکام کے لیے ایک سبق ہونی چاہیے جو سری نگر کے تاریخی اور ماحولیاتی ورثے کے تحفظ کے دعوے کرتے ہیں۔ منصوبے بنانا اور اجلاس منعقد کرنا آسان ہے، اصل چیلنج وسائل کا بندوبست اور ان منصوبوں پر عمل درآمد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومت اپنے محدود وسائل سے تمام ماحولیاتی منصوبوں کو مکمل نہیں کر سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ کارپوریٹ اداروں کو کشمیر میں ماحولیات کے تحفظ، آبی ذخائر کی بحالی، موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے کے بنیادی ڈھانچے کی تعمیر اور مقامی معیشت کی ترقی کے منصوبوں میں شامل کیا جائے۔

کارپوریٹ سوشل رسپانسبلٹی قوانین کے تحت بڑی کمپنیاں سماجی ترقی کے منصوبوں پر سرمایہ خرچ کرنے کی پابند ہیں۔ جموں وکشمیر، جو برسوں کے تنازعے سے متاثر رہا ہے، ان کمپنیوں کے لیے ایک اہم اور بامعنی CSR منزل بن سکتا ہے۔

صحت، تعلیم، بجلی، آبی وسائل اور ماحولیاتی تحفظ جیسے شعبے مالی معاونت کے منتظر ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ قومی اور بین الاقوامی کارپوریٹ اداروں کے درمیان ایک منظم آگاہی مہم چلائے تا کہ جموں وکشمیر کو پائیدار ترقی اور CSR سرمایہ کاری کے لیے ایک موزوں مقام کے طور پر پیش کیا جا سکے۔

موسمیاتی تبدیلی کے خطرات دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر ماحولیات کے تحفظ، قدرتی وسائل کی بحالی اور آنے والی نسلوں کے محفوظ مستقبل کے لیے عملی اور فوری اقدامات کیے جائیں۔ تاخیر، توجہ بھٹکانے اور انکار کی گنجائش اب باقی نہیں رہی۔